# کشمیر میں مطالعۂ اقبال

## (بحوالہ: اقبال انسٹی ٹیوٹ، سری نگر)

ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی

علامہ اقبالؒ پر اس وقت تک خاصا تحقیقی و تنقیدی کام ہوا ہے اور ہنوز شدومد سے جاری ہے اور آیندہ بھی ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ برعظیم ہندو پاک میں اقبالیات پر جتنا کام اور مواد جمع ہوا ہے، وہ شاید ہی کسی اور ادبی و تخلیقی موضوع پر ہوا ہو، حالانکہ علی سردار جعفری کے بقول، ''ایک عرصے تک ہندوستان نے علامہ اقبال کے فکر و فلسفے کو نظر انداز کیا اور پاکستان میں اسے محدود کیا گیا۔'' مگر اب تو فکر ونظر کی کشادگی اور ذہن کی بالیدگی سے معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دونوں ممالک میں اب پوری شعوری کاوشوں سے اقبال کے متنوع فکری وعملی جہات پر کام ہو رہا ہے۔

کشمیر میں علامہ اقبالؒ کی مقبولیت کا سبب صرف اُن کا فکروفن ہی نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ اقبالؒ اصل میں فرزندِ کشمیر ہیں، لہٰذا برعظیم کے ہر حصے بلکہ تمام دنیا سے زیادہ اہلِ کشمیر کو اقبال پر فخرو ناز ہے۔ اُن کے کلام کے علاوہ خطوط میں کشمیر کا ذکر موجود ہے اور پھر اُن کی اپنی زندگی میں کشمیر اور مسائلِ کشمیر کی جو معنویت رہی ہے، اُس سے کسی بھی حالت میں صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں اقبال کی شاعری اور فکر وعمل کے اثرات قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اقبال شناسی اور اقبال فہمی کا آغاز اُن کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا۔ اقبال کے ہم عصر اُدبا وشعرا نے اُسی دور میں اُن کا رنگ و آہنگ اختیار کیا۔ اس سلسلے میں منشی محمد الدین فوق، منشی سراج الدین احمد، چودھری خوشی محمد ناظر، خلیفہ عبدالحکیم، غلام احمد مہجور اور عبدالاحد آزاد جیسے ادبا وشعرا شرفِ اوّلیت رکھتے ہیں۔ ان میں بھی منشی محمد الدین فوق کا اسمِ گرامی سب پر فوقیت کا حامل ہے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے علامہ کی سوانح مع کشمیری میگزین اپریل ۱۹۰۹ء میں شائع کی، حالانکہ اُن کی یہ پہلی کوشش نہایت سرسری نوعیت کی تھی۔ بہرحال اس سرسری کوشش کے بعد فوق نے مشاہیرِ کشمیر ۱۹۳۰ء،

نیرنگِ خیال ۱۹۳۲ء اور تاریخ اقوامِ کشمیر جلد اوّل ۱۹۳۴ء اور جلد دوم ۱۹۴۳ء میں علامہ اقبال کے حالاتِ زندگی، آبائی گاؤں اور ذات وغیرہ کے حوالے سے کافی حد تک بحث بھی کی ہے۔ دوسری اہم کشمیری شخصیت مولوی احمد دین کی ہے جنھوں نے اقبال پر پہلی اردو کتاب اقبال ۱۹۲۴ء میں شائع کی مگر اقبال کی ناپسندیدگی کی وجہ سے انھوں نے اس کتاب کی ساری کاپیاں جلا ڈالیں اور پھر خاصی ترامیم اور حذف و اضافے کے ساتھ اسے ۱۹۲۶ء میں ازسرِ نو شائع کیا۔ ابتدا میں یہاں اقبال سے متعلق زیادہ تر ادب مضامین ہی کی صورت میں تخلیق ہوا ہے۔ اُن کی شاعری اور فکر و فلسفے کے بارے میں کشمیر میں پہلے پہل خلیفہ عبدالحکیم، محمد دین تاثیر، جعفر علی اثر اور خواجہ غلام السیدین نے خامہ فرسائی کی ہے۔

اقبال شناسی اور اقبال فہمی کی باضابطہ تحریک کشمیر میں برِعظیم کی آزادی کے کئی سال بعد شروع ہوئی۔ اس سلسلے میں مشہور ماہرِ اقبالیات، ادیب اور شاعر پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا نام سرِفہرست ہے جن کی ان تھک تحقیقی و تخلیقی کاوشوں سے نہ صرف جموں و کشمیر میں بلکہ پورے بھارت میں ایک طرح سے اقبالیات کی نشاتِ ثانیہ ہوئی۔ پروفیسر آل احمد سرور کا حصہ بھی اس ضمن میں وافر اور ناقابلِ فراموش ہے۔ ان دونوں مقتدر اصحابِ علم اور ماہرینِ اقبالیات کی کوششوں سے کلامِ اقبال پر یہاں شان دار ادبی و تحقیقی کام ہوا اور اس طرح سے اقبالیات کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ جموں و کشمیر میں اقبال کے بارے میں باضابطہ طور پر غالباً پروفیسر جگن ناتھ آزاد ہی نے پہلی دفعہ ۵۵-۱۹۵۴ء میں کشمیر یونی ورسٹی سری نگر میں اقبال پر تین لیکچر دینے کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن حکومتِ ہند کی ملازمت میں رخصت کی درخواست نامنظور ہونے کی وجہ سے وہ یہ لیکچر اُس وقت نہ دے سکے۔ البتہ ۱۹۶۰ء میں ان لیکچروں کو کتابی صورت دینے میں کامیاب ہوئے جو اقبال اور اس کا عہد کے عنوان سے الٰہ آباد سے شائع ہوئے۔

ڈاکٹر محمد اسد اللہ وانی کے مطابق: ''پروفیسر آل احمد سرور نے شیخ محمد عبداللہ مرحوم کی وزارتِ اعظمی کے دور میں انھی کی فرمائش پر کشمیر یونی ورسٹی میں اقبال پر ایک لیکچر دیا تھا۔''[۱] لیکچر کا عنوان کیا تھا اور کس محکمے میں دیا گیا، اس کی کوئی تفصیل وانی صاحب نے نہیں دی ہے حالانکہ پروفیسر آزاد کی تحریروں اور مقالات کے مطابق کشمیر یونی ورسٹی کے لیے اقبالیات پر لیکچر رقم کرنے کی پہلی سعادت انھی کو حاصل ہے۔ اس بارے میں پروفیسر آزاد کی کتاب ہندوستان میں اقبالیات آزادی کے بعد اور دوسرے توسیعی لیکچر کا یہ لمبا اقتباس ملاحظہ ہو:

> یہاں ۵۵-۱۹۵۴ء کا ایک ذاتی واقعہ بھی سن لیجیے۔ جناب آصف علی اصغر فیضی جموں و کشمیر یونی ورسٹی سری نگر کے وائس چانسلر تھے۔ انھوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں جموں و کشمیر یونی ورسٹی سری نگر میں تین لیکچر غالب کے فکر و فن کے متعلق دوں اور پھر یہی لیکچر یونی ورسٹی کے جموں ڈویژن میں بھی دیے جائیں۔ جموں میں اُس وقت الگ یونی ورسٹی نہیں تھی، بلکہ جموں و کشمیر یونی ورسٹی ہی کا ایک ونگ جموں

میں کھول دیا گیا تھا۔ میں نے اُن سے کہا کہ غالب پر بھی میں لیکچر دے دوں گا لیکن اِس وقت تو آپ مجھ سے اقبال پر لیکچر دلوایئے۔ فیضی صاحب جیسے سناٹے میں آ گئے۔ فرمانے لگے، ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک کسی نے جموں و کشمیر میں اقبال کا نام نہیں لیا، آپ کیوں اس موضوع پر لیکچر دینا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ ایسا نہیں ہے۔ اقبال کا ذکر نجی محفلوں میں ہوتا ہے۔ اقبال کی شاعری پر بات چیت بھی ہوتی ہے، یہاں سے ایک اخبار نکلتا ہے آفتاب اس کی پیشانی پر علامہ اقبال ہی کا ایک شعر لکھا ہوتا ہے۔

جس خاک کے ضمیر میں ہو آتشِ چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند

اس کے علاوہ کشمیر کے قریباً ہر پڑھے لکھے گھر میں جہاں مجھے جانے کا اتفاق ہوا ہے، علامہ اقبال کے کلام کے مجموعے موجود ہیں۔ اقبال کشمیر ہی کے فرزند ہیں۔ اس یونی ورسٹی میں اقبال پر لیکچروں کا انتظام بہت پہلے ہونا چاہیے تھا۔ فیضی صاحب نے کہا کہ آپ سوچ لیجیے، میں اس پر غور کروں گا اور پرسوں آپ کو قطعی طور پر بتاؤں گا۔ انھوں نے پرسوں کے لیے مجھے کھانے کی دعوت دی اور جب میں اُن کے یہاں ڈنر پر پہنچا تو غالباً وہ اس مسئلے پر پوری طرح غور کر چکے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کا دورِ وزارتِ اعظمیٰ تو اُس وقت ختم ہو چکا تھا، بخشی غلام محمد کا زمانہ تھا۔ ممکن ہے انھوں نے بخشی صاحب سے بھی اس ضمن میں مشورہ کیا ہو۔ بہر طور مجھ سے انھوں نے جب بات چیت شروع کی تو وہ کچھ اس طرح تھی کہ فرض کیجیے، آپ یہاں ہماری یونی ورسٹی میں اقبال پر لیکچر دیتے ہیں، تو آپ بات چیت کس طرح شروع کریں گے؟ میں نے کہا فیضی صاحب، یہ تو آپ نے بڑا مشکل سوا کیا کیوں کہ میں نے ابھی تک لیکچر لکھنے کے بارے میں ان نکات پر غور نہیں کیا ہے لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ یہ لیکچر میں اس لیے نہیں لکھوں گا کہ یہ مجھے صرف جموں و کشمیر میں پڑھنا ہیں۔ ہوسکتا ہے، میں یہ لیکچر ملک کے دوسرے حصوں میں بھی دوں اور چونکہ ۱۹۴۷ء کے بعد کسی بھی یونی ورسٹی میں علامہ اقبال کے متعلق یہ پہلے توسیعی لیکچر ہوں گے اس لیے میں کوشش کروں گا کہ کسی قسم کی غلط بیانی کیے بغیر جس حد تک ممکن ہو، سامعین کو اپنے ساتھ لے کر چلوں۔ کسی بھی بڑے فن کار کے فکر و فن کے ذکر میں اختلافِ رائے کی گنجائش تو ہوتی ہے لیکن میری کوشش یہی ہوگی کہ اختلافِ رائے ایسی مخالفت کی صورت اختیار نہ کرے کہ ہمارا مقصد ہی فوت ہوجائے۔ اس کے بعد انھوں نے رسمی دعوت نامہ مجھے دے دیا اور دہلی واپس جا کر میں نے اپنے مقالات کی ابتدا کردی۔ محترم فیضی صاحب کی فرمائش تین لیکچروں کے لیے تھی اور میں نے ان لیکچروں کے عنوان یہ تجویز کیے: (۱) کلامِ اقبال کا ہندوستانی پس منظر (۲) کلامِ اقبال کا صوفیانہ لب و لہجہ اور (۳) اقبال اور اس کا عہد۔

چونکہ میرا ارادہ ان لیکچروں کو کشمیر سے باہر بھی مختلف جلسوں میں پڑھنے کا تھا، اس لیے میں اپنی بات چیت کی ترتیب بھی رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن جب یہ تینوں لیکچر مکمل ہو چکے اور میں نے کشمیر آنے کے لیے رخصت کی درخواست دی تو یہ ہمارے پرنسپل انفارمیشن آفیسر نے اُس وقت کے وزیر ڈاکٹر بی وی کیسکر کو بھیج دی جہاں سے یہ درخواست نامنظور ہوکر واپس آ گئی۔ میں نے چاہا کہ وزیر موصوف کے ساتھ ملاقات کر کے اس موضوع پر بات کرلوں لیکن جواب آیا کہ اگر اقبال کے توسیعی لیکچروں کے متعلق بات کرنا ہے تو ملاقات ممکن نہیں۔ میں نے اپنے پرنسپل انفارمیشن آفیسر کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ یہ ایک خالص ادبی معاملہ ہے، یونی ورسٹی میں لیکچر دینا ہیں علامہ اقبال کے فکر و فن کے متعلق، لیکن جب متعلقہ

وزیر میری چھٹی نامنظور کر چکے تھے تو پرنسپل انفارمیشن آفیسر کیا کر سکتے تھے جب کہ وہ خود بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ میں اس موضوع پر لیکچر دوں، ورنہ وہ چار دن کی چھٹی کی یہ درخواست وزیر موصوف کو بھیجتے ہی کیوں۔

بہر طور یہ معاملہ تو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ کچھ مدت بعد یہ لیکچر کتابی صورت میں اقبال اور اس کا عہد کے نام سے ادارہ انیسِ اُردو الٰہ آباد نے شائع کیے۔''[۱۲]

زمانے نے کروٹ لی اور ۱۹۶۸ء میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد اپنی ملازمت کے سلسلے میں دہلی سے تبدیل ہوکر واردِ کشمیر ہوئے اور تب سے وفات تک وہ مختلف حیثیتوں سے اسی ریاست میں مقیم رہے بلکہ ۱۹۸۹ء میں جموں یونی ورسٹی کی طرف سے انھیں تاحیات پروفیسر ایمرٹس شپ عطا ہونے کی وجہ سے وہ اسی ریاست کے باشندے بن گئے اور یہاں بودوباش اختیار کر کے انھوں نے اقبالیاتی ادب میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔ پروفیسر آزاد کی دیگر تصانیفِ اقبال یہ ہیں:

اقبال اور مغربی مفکرین، اقبال اور کشمیر، مرقّعِ اقبال، اقبال: زندگی، شخصیت اور شاعری، اقبال کی کہانی، بچوں کا اقبال، ہندوستان میں اقبالیات، *Iqbal: His Poetry and Philosophy*، *Iqbal: Mind and Art*۔ آزاد صاحب نے تقریباً یہ تمام تصانیف کشمیر ہی میں دورانِ ملازمت رقم کی ہیں۔

کشمیر میں اقبالیات کے سلسلے میں ۱۹۷۷ء کا سال تاریخی لحاظ سے کافی اہمیت کا حامل ہے کہ یہی سال اقبال صدی تقریبات کے انعقاد کا سال بھی مقرر ہوا اور ریاستی سطح پر جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز ان تمام سرگرمیوں کا مرکز قرار پایا۔ اس کے اُس وقت کے سکریٹری جناب محمد یوسف ٹینگ اور اُن کے ساتھیوں کی کوششوں سے ریاست بھر میں اقبال سیمیناروں، مباحثوں، مذاکروں اور موسیقی کے مقابلوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ اس ادارے کے آفیشل آرگن اور ادبی مجلّہ شیرازہ کے خصوصی اقبال نمبر کے علاوہ کلامِ اقبال کے تراجم بھی کیے گے اور کتابیں بھی تحریر کی گئیں۔

۱۹۷۷ء ہی میں اس وقت کے ریاست کے وزیرِ اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے ایک مستحسن کام کے طور پر کشمیر یونی ورسٹی میں ''مسندِ اقبال'' قائم کروائی جس کے پہلے پروفیسر مرحوم آل احمد سرور مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں اس مسند کو ''اقبال انسٹی ٹیوٹ'' کی حیثیت سے توسیع دی گئی اور پروفیسر آل احمد سرور کو پہلا ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ مقرر کیا گیا۔ اس طرح دنیا بھر میں پہلے پہل اقبال انسٹی ٹیوٹ کا قیام کشمیر یونی ورسٹی ہی میں عمل میں لایا گیا۔ اس کے بعد پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں اقبال چیئر قائم کی گئی۔

اگرچہ اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونی ورسٹی کو متذکرہ بالا اقبال چیئر پر اوّلیت کا شرف حاصل ہے لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ابھی تک اس ادارے میں صرف ایک ڈائریکٹر کم پروفیسر اور ایک ریڈر ہی کام کرتے ہیں حالانکہ اس ادارے کے کام کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ اُمید ہے یہاں کے

اربابِ اقتدار اس جانب توجہ مبذول کر کے اس میں مزید اسامیاں پیدا کر کے اس کو توسیع دیں گے۔

۱۹۷۹ء میں کشمیر یونی ورسٹی میں اقبال انسٹی ٹیوٹ کے قیام کے فوراً بعد جب پروفیسر آل احمد سرور کو اس کا ڈائریکٹر بنادیا گیا تو انھوں نے اپنے تبحرِ علمی وادبی مقام ومرتبے کی وجہ سے جلد ہی اس ادارے کو ایک متحرک علمی و ادبی مرکز بنا دیا۔

کچھ سنجیدہ اُستادوں اور دانشوروں نے سرور صاحب سے ان کے علمی و ادبی کاموں میں بھرپور تعاون کیا، جن میں پروفیسر شکیل الرحمٰن، پروفیسر قاضی غلام محمد مرحوم، پروفیسر مرغوب بانہالی، پروفیسر غلام رسول ملک، محمد امین بچھ مرحوم، مرزا کمال الدین شیدا، مرزا غلام حسن بیگ عارف، پروفیسر محمد عبداللہ شیدا، پروفیسر محمد امین اندرابی مرحوم اور پروفیسر بشیر احمد نحوی کے اسمائے گرامی سرِفہرست ہیں۔

دراصل اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونی ورسٹی کے قیام کا مقصد ہی تحقیق و تدوین کے ذریعے علامہ اقبال کی حیات اور فکر وفن کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ رہا ہے تاکہ فکرِ اقبال کے ساتھ ساتھ سچی دانشوری کو فروغ مل سکے۔ اسی جذبے کے تحت یہ ادارہ معرضِ وجود میں لایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ریاست جموں وکشمیر کے اُس وقت کے وزیرِ اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ مرحوم ایک اہم خط کے ذریعے ادارے کی اہمیت و افادیت کو اُجاگر کرتے ہوئے آل احمد سرور مرحوم سے یوں گویا ہوئے تھے:[۳]

محترم سرور صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۷۹ء موصول ہوا۔ کشمیر یونی ورسٹی میں اقبال انسٹی ٹیوٹ کے قیام سے متعلق آپ کی تجویز مجھے پسند آئی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی منظوری سے کشمیری قوم کی اُس دیرینہ عقیدت کا اعادہ ہوسکے گا جو اُسے شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبالؒ کی ذات اور اُن کے پیغام سے رہی ہے۔ میں آپ سے متفق ہوں کہ اقبال انسٹی ٹیوٹ کو سچی روحانیت اور تہذیبی و ادبی قدروں کے عرفان کے لیے انتہائی اہم خدمات انجام دینی ہوں گی اور معاشرے کی اخلاقی وشعوری اصلاح کے لیے بھی نئی راہیں تلاش کرنی ہوں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ اقبال انسٹی ٹیوٹ کو اسلام کے فلسفیانہ افکار کی روشنی میں نوجوانوں کی ذہنی تربیت کا ایک عملی منصوبہ اپنانا ہوگا تاکہ مادیت پرستی کے رجحان سے چھٹکارا حاصل کر کے ہماری نوجوان نسل اعتدال وتوازن کے اُن اصولوں سے آگاہی حاصل کرسکے جو اسلامی تہذیب کی بنیاد رہے ہیں اور جن کے بغیر قوموں کی فلاح اور اتحاد کا ہر تصور بے ثبات ہوجاتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ اقبال انسٹی ٹیوٹ کی سربراہی کے لیے ہمیں آپ جیسی علمی شخصیت کی رہنمائی حاصل ہوسکی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے خلوص اور اعتماد سے اس انسٹی ٹیوٹ کو ایک فعال ادارہ بنانے میں ضرور کامیاب ہوسکیں گے۔ اس کام میں میری تمام نیک خواہشات آپ کے اور کشمیر یونی ورسٹی کے ساتھ ہیں، اُمید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص
شیخ محمد عبداللہ

اسی جذبے کے تحت انسٹی ٹیوٹ کے قیام کے بعد اقبال پر باقاعدہ تحقیقی کاوشوں کی شروعات ہوئیں۔ اس کے لیے اساتذہ کا تقررعمل میں لایا گیا۔ اقبال پر کتابوں کی اشاعت کا کام شروع ہوا۔ سیمینار اور توسیعی خطبات شروع کیے گئے۔ تحقیق کے سلسلے میں اساتذہ کی نگرانی میں تحقیقی مقالے لکھوائے گئے۔ انسٹی ٹیوٹ کی یہ روایت شروع ہوئی کہ یہاں ہر سال مشاعرے اور سیمینار منعقد کیے جانے لگے۔ ان سیمیناروں میں وادی کے علاوہ ملک کے دیگر حصوں سے بھی اصحابِ علم تشریف لاکر اپنے مقالات پیش کرتے رہے۔ ایک روزہ سیمیناروں کے علاوہ دو روزہ اور سہ روزہ سیمیناروں کا انعقاد بھی کیا جاتا رہا۔ چنانچہ سرور صاحب کی ادارت میں متعدد مقالات اور کتابیں ضبطِ تحریر میں لائی گئیں۔ اس سلسلے میں اقبال اور تصوف، اقبال اور مغرب، تشخص کی تلاش کا مسئلہ اور اقبال، اقبال اور جدیدیت، جدید دنیا میں اسلام، خطباتِ اقبال پر ایک نظر، حکمتِ گوئٹے اور فکرِ اقبال، علامہ اقبال (مصلح قرنِ آخر)، ہندوستان میں اقبالیات وغیرہ جیسی اہم کتب و تصانیف اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

انگریزی زبان میں بھی آل احمد سرور کی ادارت میں مندرجہ ذیل کتب اقبال انسٹی ٹیوٹ سے شائع ہوئیں:

1. *Islam in the Modern World-Problems and Prospects*
2. *Islamic Resurgence*
3. *Some Aspects of Iqbal's Poetic Philosophy*
4. *Modernity and Iqbal*
5. *Islam in India Since Independence*
6. *Iqbal and Indian Heritage*
7. *Tagore, Sri Aurobindo and Iqbal*

پروفیسر آل احمد سرور کی رفاقت میں پروفیسر غلام رسول ملک، پروفیسر حامدی کاشمیری، پروفیسر شکیل الرحمٰن، پروفیسر محمد امین اندرابی نے بالترتیب سرودِ سحر آفریں، اقبال کا تخلیقی شعور، اقبال- روشنی کی جمالیات، اقبال اور فنونِ لطیفہ، مطالعۂ مکتوباتِ اقبال جیسی اہم تصانیف مدوّن کرکے اقبالیاتی ادب میں گراں قدر اضافہ کیا۔ مرحوم پروفیسر آل احمد سرور نے تقریباً دس سال تک اقبال انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر کے فرائض انجام دیے۔ ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد اس ادارے کے سربراہ پروفیسر محمد امین اندرابی صاحب بنائے گئے۔ اُن کی ادارت میں مندرجہ ذیل کتب اس ادارے سے شائع ہوئیں:

۱۔ ہندوستان میں اقبالیات از پروفیسر جگن ناتھ آزاد
۲۔ اقبال کی فارسی شاعری مرتبہ پروفیسر محمد امین اندرابی
۳۔ اقبال، خطابت اور شاعری مرتبہ پروفیسر محمد امین اندرابی
۴۔ سرودِ سحر آفریں از پروفیسر غلام رسول ملک

۵۔ اقبال اور قرآن مرتبہ پروفیسر محمد امین اندرابی
۶۔ مفتاحِ اقبال، عبداللہ خاور
۷۔ اقبال اور مابعد التاریخ، ڈاکٹر حیات عامر حسینی
۸۔ اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، مرتبہ محمد امین اندرابی
۹۔ اقبال کا فن، مرتبہ محمد امین اندرابی
۱۰۔ اقبال اور جمالیات از پروفیسر قدوس جاوید

مرحوم امین اندرابی صاحب بھی لگ بھگ دس سال تک اس ادارے کے سربراہ رہے۔ اُن کے بعد ۱۹۹۹ء کے اواخر میں پروفیسر بشیر احمد نحوی صاحب کو اس ادارے کی نظامت سونپی گئی۔ پروفیسر نحوی محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ آپ صحیح معنوں میں اقبال کے عاشق ہیں اور حافظِ اقبال کے نام سے وادی بھر میں معروف ہیں۔ انھیں اقبال کا تقریباً تمام اُردو اور فارسی کلام ازبر ہے۔ اقبال انسٹی ٹیوٹ سے وابستگی سے پہلے آپ ہی کے ہاتھوں سے وادیِ کشمیر میں ''اقبال اکیڈمی'' کی بنیاد رکھی گئی۔ چنانچہ اس اکیڈمی کے پہلے سربراہ پروفیسر مرزا عارف بیگ منتخب کیے گئے اور سیکریٹری کے فرائض آپ بذاتِ خود انجام دیتے رہے۔ اس اکیڈمی کے تحت آپ نے پوری وادی میں متعدد کانفرنس اور سیمینار منعقد کرکے اقبال فہمی کو عوامی سطح پر فروغ دیا۔ آپ ایک متحرک اور فعّال شخصیت ہیں۔ آپ کا فکری مرکز و محور اقبالیات ہی ہے۔ آپ کے خلوص اور پُر اعتماد طریقِ کار کو دیکھ کر آپ کے بزرگ آپ کے ساتھ چلنے پر بخوشی مائل ہوگئے۔ ''اقبال اکیڈمی'' کے تحت آپ نے کئی کتب و جرائد شائع کیے۔ مثلاً پروفیسر غلام رسول ملک صاحب کی انگریزی میں لکھی ہوئی کتاب *Bloody Horizon* (Iqbal's Response to the West)۔ اسی طرح سے ''اقبال اکیڈمی'' کے تحت جو سیمینار منعقد کیے گئے اُن میں جن سربرآوردہ شخصیات نے مختلف عنوانات کے تحت مقالے پڑھے وہ بھی شائع کرائے جن میں 'حکیم مشرق' اور 'چشمۂ آفتاب' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح سے مشہور سخنور اور دانشور مرحوم محمد امین بچھ کی شخصیت اور اُن کی ادبی خدمات پر بھی ایک کتاب شائع کی۔ دراصل آپ اقبال کا نورِ بصیرت حقیقی معنوں میں تمام دنیا میں عام کرنے کے متمنی ہیں۔ شعبۂ اقبالیات میں آپ کی سربراہی میں ایک نئی توانائی اور نیا ولولہ پیدا ہوا۔ فکرِ اقبال کی معنویت سے اب عوام و خواص روشناس ہورہے ہیں۔ آپ ان موضوعات و افکار پر سیمیناروں، مباحثوں اور مذاکروں کا اہتمام و انتظام احسن طریقے سے ہر سال کراتے رہتے ہیں جن کے ساتھ علامہ کو بھی دلچسپی تھی۔ متعدد مشاعروں اور سیمیناروں کے علاوہ پہلی بار اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونی ورسٹی کے اہتمام سے سال ۲۰۰۱ء میں کل ریاستی سیرت کوئز کا اہتمام پروفیسر نحوی صاحب نے ہی کرایا جس کے اوّل انعام یافتہ کو عمرہ ٹکٹ سے نوازا گیا۔ اسی طرح سے اب کل ریاستی مضمون نویسی اور تقریری

مقابلے کا بھی اہتمام ہر سال کیا جاتا ہے۔ ستمبر۲۰۰۳ء میں 'اقبالیات کے گزشتہ دس سال' کے موضوع پر پروفیسر نحوی صاحب نے دو روزہ عظیم الشان نیشنل سیمینار منعقد کرایا، جس کے شرکا میں پروفیسر آفاق احمد (بھوپال)، پروفیسر عبدالحق (دہلی)، پروفیسر علی احمد فاطمی (الٰہ آباد)، پروفیسر ظہور الدین (جموں) اور ڈاکٹر محمد اسد اللہ وانی (جموں) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ نوآموز ادیبوں اور محققوں کے متعدد مقالے شعبے کے مجلّے اقبالیات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ نحوی صاحب کے اسی حوصلہ افزا مزاج کی وجہ سے اب اقبالیات پر سنجیدہ تحقیق کرنے والے نوجوان محققین کی ایک کھیپ تیار ہوچکی ہے جن سے مستقبل میں کافی توقعات وابستہ ہیں۔ اسلامیات کے ریڈر اور ممتاز محقق ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی نے خطباتِ اقبال پر ایک شان دار کتاب رقم کی ہے جسے شعبۂ اقبالیات نے ۲۰۰۲ء میں خطباتِ اقبال کا تنقیدی مطالعہ کے نام سے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالرشید بٹ صاحب نے بھی کئی سال پہلے اقبال پر ایک کتاب *Iqbal's Approach to Islam* شائع کی تھی۔ علامہ اقبال لائبریری کے اسسٹنٹ لائبریرین جناب عبداللہ خاور صاحب، پروفیسر آلِ احمد سرور کے زمانے سے لے کر پروفیسر محمد امین اندرانی مرحوم کے دور تک شعبۂ اقبالیات میں پروفیشنل اسسٹنٹ کے طور پر کام کرتے رہے۔ انھوں نے ۱۹۹۸ء میں مفتاح اقبال رقم کرکے علامہ اقبال سے متعلق مقالات کا موضوعاتی اشاریہ ترتیب دیا ہے۔ مفتاح اقبال کا دوسرا حصہ حال میں شعبۂ اقبالیات سے شائع ہوا ہے۔ اشاریہ سازی پر عبداللہ صاحب مزید کام کر رہے ہیں۔

اب تک انسٹی ٹیوٹ میں پروفیسر نحوی صاحب کی ادارت میں تقریباً تیس (۳۰) کتب و جرائد شائع ہوچکے ہیں جن میں نصف درجن سے زیادہ انگریزی میں ہیں۔ اہم کتابوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) اقبال ایک تذکرہ، حکیم منظور، (۲) اقبال ایک تجزیہ، ڈاکٹر بشیر احمد نحوی، (۳) مطالعۂ مثنوی اسرارِ خودی، ڈاکٹر تسکینہ فاضل، (۴) تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ کے مسلم اعلام، ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی، (۵) وہ دانائے سبل، از ڈاکٹر بشیر احمد نحوی، (۶) نفحاتِ اقبال، از ڈاکٹر بشیر احمد نحوی، (۷) اقبال کا تخلیقی شعور، ڈاکٹر حامدی کاشمیری، (۸) رازِ الوند، سید حبیب وغیرہ۔ مندرجہ ذیل انگریزی کتب بھی اس ادارے سے شائع ہوچکی ہیں:

1. *Iqbal's Raptures Melodize, Education by Prof. Syed Habib*
2. *Iqbal's Multiformity, compiled by Prof. B.A. Nahvi*
3. *Iqbal's Idea of Self, edited by Prof. B.A. Nahvi*
4. *Iqbal's Religio-Philosophical Ideas, compiled by Prof. B.A Nahvi*

سیمیناروں کے ساتھ ساتھ انسٹی ٹیوٹ ابتدا ہی سے توسیعی لیکچروں کا بھی اہتمام کرتا آیا ہے۔ اس سلسلے میں انسٹی ٹیوٹ کو بیرونِ ریاست کے جن عالموں، دانشوروں اور اقبال شناس شخصیتوں کا تعاون حاصل رہا، ان میں مشہور علمائے دین مولانا سعید اکبر آبادی، مولانا سید ابوالحسن علی

ندویؒ، پروفیسر سید وحید الدین، پروفیسر عالم خوند میری، پروفیسر مسعود حسین خان، پروفیسر سید حامد، ضیاالحسن فاروقی، مشیر الحق، مشیر الحسن، پروفیسر انا میری شمل، شانتی نکیتن یونی ورسٹی کے سِسر کمار گھوش، راجستھان یونی ورسٹی کے دیا کرشن، کولمبیا یونی ورسٹی کے اے ٹی ایمبری وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ مذکورہ انسٹی ٹیوٹ اب تک پانچ درجن سے زائد سیمینار منعقد کرا چکا ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور کے زمانے میں ڈاکٹر کبیر احمد جائسی بھی انسٹی ٹیوٹ سے منسلک رہے اور انھوں نے بعض قابلِ قدر کام کیے۔ شعبے کا کتب خانہ اقبال سے متعلق برعظیم کا اہم کتب خانہ ہے جہاں پر تقریباً بارہ ہزار نادر کتابیں، رسائل اور جرائد موجود ہیں۔ اس ادارے سے اب تک اقبالیاتی فکر و فلسفہ اور شاعری کے حوالے سے تیس (۳۰) ایم فل اور پندرہ (۱۵) پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جا چکے ہیں اور یہ تحقیقی کام مسلسل جاری ہے۔ اس وقت اس ادارے میں چار (۴) ایم فل اور گیارہ (۱۱) پی ایچ ڈی اسکالرز اپنے کام میں منہمک ہیں۔ علامہ اقبال کا عرفان عام کرنے، ماضی کے تجزیے اور مستقبل کے لیے عملی کام کرنے کی جانب اس ادارے کی کاوشیں قابلِ قدر ہیں۔ اقبال انسٹی ٹیوٹ اب اپنی ویب سائٹ بھی رکھتا ہے۔ پروفیسر بشیر احمد نحوی صاحب کی ذاتی کوششوں کے نتیجے میں اب اس ادارے میں ایک شان دار میوزیم کا قیام عمل میں آ رہا ہے جس میں علامہ اقبالؒ کے تعلق سے جموں و کشمیر میں جہاں کہیں بھی کوئی دستاویز، مخطوطہ یا تصویر وغیرہ دستیاب ہوگی، وہ یہاں محفوظ کی جائے گی۔

☆☆☆

## حواشی

(۱) محمد اسد اللہ وانی، 'جموں و کشمیر میں اقبالیات کا جائزہ' مشمولہ اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، مرتبہ: پروفیسر محمد امین اندرابی، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۷۰۔

(۲) پروفیسر جگن ناتھ آزاد، ہندوستان میں اقبالیات آزادی کے بعد اور دوسرے توسیعی لیکچر، مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۱۹-۱۷۔

(۳) یہ خط مرحوم شیخ محمد عبداللہ نے جموں سے ۱۸ اپریل ۱۹۷۹ء کو مرحوم پروفیسر آل احمد سرور کو بھیجا تھا۔ راقم الحروف کو یہ خط اتفاقاً کہیں سے دستیاب ہوا اور اب محفوظ ہے۔

☆☆☆